رپورٹ

تحقیقاتی عدالت

(مقرر کردہ زیر پنجاب ایکٹ ۲ سنہ ۱۹۵۴ء)

برائے تحقیقات

فسادات پنجاب سنہ ۱۹۵۳ء

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

رپورٹ

تحقیقاتی عدالت

(مقرر کردہ زیر پنجاب ایکٹ ۲ سنہ ۱۹۵۴ء)

برائے تحقیقات

فسادات پنجاب سنہ ۱۹۵۳ء

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

وہ آئینی اعتبار سے ناجائز تھا۔ اگر یہ معاملہ صرف جماعت اسلامی اور مجلس عمل کے دوسرے فریقوں ہی کے درمیان ہوتا اور عدالت سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ وہ ایسی کارروائی میں جس میں پارٹیوں کے درمیان کسی حق یا کسی ذمہ داری کا تعین ضروری ہو آئین کے اس مسئلے کا فیصلہ کر دے۔ تو ہم غالباً جماعت کی رائے سے اتفاق کرتے۔ لیکن ہمارے سامنے آئینی جواز یا عدم جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جماعت اسلامی اپنا نام مجلس عمل پنجاب اور مرکزی مجلس عمل دونوں میں شامل کرا چکی تھی۔ وہ ڈائریکٹ ایجیٹیشن کی قرارداد میں ایک فریق کی حیثیت رکھتی تھی اور مجلس عمل کے اجلاس مورخہ ۲۷ فروری میں جماعت کا نمائندہ اس قرارداد میں شریک تھا کہ رضا کار دن کے دئے بھیجے جائیں۔ اور اقدامات کے اجرا کے لئے ایک ڈکٹیٹر مقرر کیا جائے۔ لہٰذا موجودہ تحقیقات میں اس نکتے کو کوئی حیثیت حاصل نہیں؛

میانوالی کے غلام صدیق۔ اور سرگودھا کے سید احمد شاہ جماعت سے اس وقت خارج کئے گئے جب مارشل لا کے نفاذ پر خاصی مدت گزر چکی تھی۔ لہٰذا اس اخراج سے جماعت کے موقف کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ بہت سے اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں نے جو اطلاعات بصیغۂ راز بھیجیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے ممبروں نے فسادات میں حصہ لیا۔ ڈپٹی کمشنر منٹگمری نے اپنی ڈائری مورخہ ۲۸ مارچ میں ایک شخص سلطان احمد کا ذکر کیا ہے اور اسی ضلع میں جماعت کا ایک اور ممبر محمد حسین تو گرفتار بھی کیا گیا تھا۔ گوجرانوالہ اور راولپنڈی کے پولیس سپرنٹنڈنٹوں نے بھی اپنی رپورٹوں میں ارکانِ جماعت اسلامی کی ان سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے دورانِ فسادات میں اختیار کی تھیں؛

احرار

احراریوں کی ابتدا اور ان کی سرگرمیوں کی پوری کیفیت اس رپورٹ کے کسی سابقہ حصے میں دی جا چکی ہے احراریوں کی پالیسی کا غالب اور بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ کسی کے ماتحت ہو کر کام نہیں کریں گے۔ اسی اصول کے مطابق وہ کانگرس سے علیحدہ ہوئے۔ گو اس کے بعد بھی انہوں نے کانگرس سے ملنے جلنے اور اس کے آگے دُم ہلانے کا رویہ جاری رکھا۔ اُن کے اور مسلم لیگ کے درمیان کامل مغایرت تھی اور مسلم لیگ کے پاکستان کو انہوں نے کبھی قبول نہ کیا تھا۔ جس زمانے میں مسلم لیگ قائداعظم کے زیر قیادت پاکستان کے لئے جدوجہد کر رہی تھی احرار بار بار مسلم لیگ کی ممتاز شخصیتوں کو مخالفات کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اور ان پر غیر اسلامی زندگی بسر کرنے کے الزام عاید کر رہے تھے۔ اسلام ان کے لئے ایک حربے کی حیثیت رکھتا تھا۔ جسے وہ کسی سیاسی مخالف کو پریشان کرنے کے لئے جب چاہتے۔ بالائے طاق رکھ دیتے۔ اور جب چاہتے اٹھا لیتے۔ کانگرس کے ساتھ سابقہ پڑنے کی صورت میں ان کے نزدیک مذہب ایک نجی معاملہ تھا۔ اور وہ نظریۂ قومیت کے پابند تھے۔ لیکن جب وہ لیگ کے خلاف صف آرا ہوئے تو ان کی واحد مصلحت اسلام تھی۔ جس کا اجارہ انہیں خدا کی طرف سے ملا ہوا تھا۔ ان کے نزدیک لیگ اسلام کی طرف سے محض بے پروا ہی نہ تھی بلکہ دشمنِ اسلام تھی۔ ان کے نزدیک

قائداعظم" کافراعظم" تھے۔ اسلامی طرزِ زندگی صرف انہی کو معلوم تھا اور مسلم لیگ کا ہر شخص مذہب
سے سخت بیگانہ ہو کر زندگی بسر کر رہا تھا۔ انہوں نے اسلام کو حربہ بنا کر مسلم لیگ کو شکست دینے کی جو
کوشش کی۔ وہ احراری لیڈر مولانا مظہر علی اظہر کے بعض اقوال سے واضح ہوتی ہے۔ انہی مولانا سے وہ شعر
منسوب کیا جاتا ہے جس میں قائداعظم کو کافراعظم کہا گیا تھا۔ یہ صاحب شیعہ ہیں۔ لیکن انہیں "مدحِ صحابہ" جان
سے زیادہ عزیز ہے۔ اور لکھنؤ کے شیعہ سنی فسادات کے ایام میں انہوں نے اور ان کے بیٹے نے یہی نعرہ
اختیار کیا تھا جس سے ہر شیعہ غضبناک ہو جاتا تھا۔ اور یہ دونوں شیعہ سنی فسادات کی آگ کو بھڑکانے کے لئے
لاہور سے لکھنؤ گئے تھے۔ بھاٹی دروازے کے باہر احراریوں کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے
مولانا مظہر علی اظہر نے کہا کہ میں گزشتہ دو تین مہینوں سے مسلم لیگ سے سوال کر رہا ہوں کہ آیا پاکستان میں صحابہ
کرام کے ناموس کی عزت کی جائے گی۔ لیکن مجھے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کانگرسی
وزارتوں کے صوبوں میں جہاں اب تک انگریز کا راج ہے۔ اور مسلم لیگ کو اقتدار حاصل نہیں۔ لیگ والے صحابہ
کا نام احترام کے ساتھ لینے کی اجازت نہیں دیتے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر لیگ برسرِ اقتدار آگئی تو کیا پھر بھی
صورت حالات یہی رہے گی۔ جو آج لکھنؤ میں اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں رونما ہے اور آیا "مدحِ صحابہ"
جرم قرار پائے گی؟ آگے چل کر انہوں نے پوچھا کہ اگر لکھنؤ اور محمود آباد میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت
عثمانؓ کے لئے مدحیہ الفاظ زبان پر نہیں لائے جا سکتے تو لیگ کے پاکستان میں کیا حالت ہوگی اور مسلمانوں کو
ایسے پاکستان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے (حوالہ شہباز مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء) نوائے وقت نے اپنی
اشاعت مورخہ ۲ نومبر ۱۹۴۵ء میں ایک مکتوب شائع کیا جو انہی صاحب نے ایک اور احراری لیڈر کو لکھا
تھا۔ چونکہ اس مکتوب کے اصلی ہونے پر سوال اٹھایا گیا تھا اس لئے ہم نے اس کے متعلق مولانا مظہر علی اظہر
کا بیان لیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے قطعی طور پر یاد نہیں ہے کہ میں نے یہ مکتوب لکھا ہو لیکن چونکہ یہ مکتوب
لاہور کے ایک ممتاز اخبار میں شائع ہوا اور مولانا نے اس کی کوئی تردید نہیں کی۔ لہٰذا ہمیں یہ رائے قائم کرنے
میں کوئی تامل نہیں کہ یہ خط مولانا ہی کا لکھا ہوا ہے یہ ناممکن ہے کہ مولانا کو جو اس زمانے میں بڑے نامور لیڈر تھے
اس مکتوب کے شائع ہونے کی خبر ہی نہ ہوتی۔ چونکہ مولانا نے اس کی تردید نہیں کی اس لئے اس کا صرف یہی
مطلب ہو سکتا ہے۔ کہ اصل مکتوب "نوائے وقت" کے قبضے میں موجود تھا۔ اور اگر ضرورت پیش آتی تو اس
مکتوب کے لکھنے والے کی شخصیت قطعی طور پر ثابت کر دی جاتی۔ اس مکتوب کا موضوع بھی "مدحِ صحابہ" ہی
ہے۔ اور یہ یاد رہے۔ کہ مولانا خود شیعہ ہیں۔ اس چٹھی میں مولانا نے لکھا کہ مدحِ صحابہ کا حربہ مسلم لیگ
کے خلاف موثر طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور الیکشنوں کے نتائج خواہ کچھ بھی ہوں اس مسئلے پر مسلم لیگ
اور حکومت دونوں کو ہتھیار ڈال دینے پڑیں گے۔ مولانا کے اس طرزِ عمل سے بالکل واضح ہے کہ احرار
اور دیگر جماعتیں اپنے سیاسی مقاصد کے لئے کس قدر آسانی سے مذہب کو استعمال کر لیتی ہیں۔ اس سلسلے
میں ہم اسی قسم کی ایک اور کوشش کا ذکر بھی کریں گے جو خود مسلم لیگ نے ۱۹۴۶ء میں قیامِ پاکستان کی
جدوجہد میں بڑے بڑے پیروں اور مشایخوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے کی تھی۔ مسلم لیگ نے عوام کی

حمایت حاصل کرنے کی غرض سے بارہ ممبروں کی ایک مشائخ کمیٹی مقرر کی جن میں سے بعض نہایت عالی مرتبت مذہبی پیشوا تھے۔ مثلاً پیر صاحب مانکی شریف۔ پیر جماعت علی شاہ۔ خواجہ نظام الدین (تونسہ شریف) مخدوم رضا شاہ ملتانی وغیرہم۔ لیکن اس معاملے کا ایک نہایت دلچسپ پہلو یہ ہے کہ خان افتخار حسین خان ممدوٹ۔ سردار شوکت حیات خان۔ ملک فیروز خان نون اور نواب محمد حیات قریشی بھی جو اپنی مذہبیت کے اعتبار سے چنداں مشہور نہ تھے اس کمیٹی میں شامل کر لئے گئے تھے۔ اور انہیں بھی مذہبی القاب دے دیئے گئے تھے۔ یعنی خان افتخار حسین خان ممدوٹ کو "پیر ممدوٹ شریف" سردار شوکت حیات خان کو "سجادہ نشین واہ شریف" ملک فیروز خان نون کو "دربار سرگودھا شریف" اور نواب محمد حیات قریشی کو "سجادہ نشین سرگودھا شریف" ظاہر کیا گیا۔ اور سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کمیٹی کے سیکرٹری مسٹر ابراہیم علی چشتی کو "فاضل ہند سجادہ نشین پیسہ اخبار شریف" کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ اس مشائخ کمیٹی کے تقرر کا واحد مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ صوبے کے اہم سیاسی لیڈروں کو مسلمہ حیثیت کے مذہبی پیشواؤں میں خلط ملط کر دیا جائے اور انہیں مذہب کے نمائندوں کی حیثیت دے دی جائے تاکہ موقع آنے پر وہ عوام کو آسانی سے متاثر کر سکیں۔ اور موجودہ شورش ہی کے دوران میں احراری اخبار "آزاد" کے دو پرچوں میں (۷ دسمبر اور ۶ دسمبر ۱۹۵۲ء) دو تقریریں درج ہوئی ہیں۔ ایک حافظ قمر الدین سجادہ نشین سیال شریف کی۔ اور دوسری قاضی احسان احمد شجاع آبادی کی۔ جن میں نہ صرف مذہبی بغاوت کو جائز بلکہ کار ثواب قرار دیا گیا۔

جہاں تک احراریوں کا تعلق ہے انہوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کا مسلسل استعمال کیا ہے۔ انہوں نے کانگرس کو ترک کیا تو مذہبی وجوہ کی بنا پر کیا۔ اور مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت کی تو وہ بھی مذہبی بنا پر کی۔ مولانا مظہر علی اظہر نے ۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو امرتسر میں ایک بیان دیا کہ مسلم لیگ کا نعرۂ پاکستان محض ایک سٹنٹ ہے اور میں نہ مسٹر جناح کو قائداعظم مانتا ہوں نہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ تسلیم کرتا ہوں۔ کیونکہ مسٹر جناح کی زندگی غیر اسلامی ہے۔ انہوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ پاکستان کے نعروں سے گمراہ نہ ہوں۔ اور آئندہ الیکشن میں ان لوگوں کو ووٹ دیں جو جمہور کی خدمت کر رہے ہیں۔ "ملاپ" (لاہور) نے اپنی اشاعت مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء میں احراری لیڈر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ایک تقریر شائع کی جو انہوں نے علی پور کی احرار کانفرنس میں کی تھی۔ اس تقریر میں امیر شریعت نے ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا کہ مسلم لیگ کے لیڈر "بے عملوں کی ٹولی" ہیں۔ جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں۔ اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں۔ بلکہ خاکستان ہے۔ اسی رہبر محترم نے پسرور میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اب تک کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے (حوالہ "استقلال" نمبر روزنامہ جدید نظام ۱۹۵۰ء) چودھری افضل حق احراری لیڈر نے مسلم لیگ کے تصور پاکستان کے خلاف بہت سی طنزیہ اور توہین آمیز باتیں کہیں جو خطبات احرار کے صفحات ۴۱۔۸۲۔۸۳ اور ۹۹ پر درج ہیں۔ مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۵ فروری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں تقریر کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ احرار پاکستان کے مخالف تھے۔ اور ان کے اس عقیدے کی وجہ غریب

دلیں پر ظاہر ہو جائیں گی۔ اس مقرر نے تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد بھی پاکستان کے لئے "پلیدستان" کا لفظ استعمال کیا اور ہمارے سامنے کیپٹن عبدالحی کی جو شہادت پیش ہوئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فسادات کے دوران میں احراری لیڈر امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری نے لاہور میں جو تقریریں کیں ان میں سے ایک تقریر میں انہوں نے کہا۔ کہ پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔

تقسیم کے موقع پر احراری ایک دل شکستہ اور مایوس جماعت کی حیثیت میں پاکستان آئے۔ بعض احراری لیڈر وہیں رہ گئے۔ اور "زمیندار" مورخہ ۵ ار جنوری ۱۹۴۸ء کی شایع کردہ ایک رپورٹ کے رُو سے آل انڈیا مجلس احرار نے ایک قرارداد منظور کی جس میں قرار دیا گیا کہ آج احراری تنظیم ختم کی جاتی ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں کانگرس کے سوا کسی دوسری سیاسی تنظیم کا وجود مناسب نہیں۔ اس قرارداد میں مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا تھا کہ کانگرس میں شامل ہو جائیں اور مولانا ابوالکلام آزاد کی قیادت کو تسلیم کرلیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کی آیندہ سرگرمیاں خدمت خلق تک محدود رہیں گی۔ اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے مذہبی حقوق کی حفاظت کے لئے جمعیتہ العلماء کی تنظیم میں شامل ہو جائیں۔ پاکستان میں وہ کچھ مدت تک خاموش رہے اور اپنے لئے کوئی نیا نظریہ سوچنے کی کوشش کرتے رہے۔ انہوں نے بار بار کہا کہ وہ سیاسیات سے دست بردار نہیں ہوئے اور ان کا ارادہ ہے کہ پاکستان میں حزب الاختلاف کی شکل اختیار کریں (حوالہ "آزاد" ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۰ء، ۲۷ر مئی ۱۹۵۲ء اور "تعمیر نو" ۵ر دسمبر ۱۹۴۹ء) ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ احراری ایک مدت تک بے حرکت رہنے کے بعد ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت سے بیدار ہونے لگے تھے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ پاکستان میں ان کے پرانے نظریات کے لئے کوئی گنجائش نہیں اور مسلم لیگ انہیں اُبھرنے کا موقع نہ دے گی۔ تو انہوں نے سیاسی میدان میں مسلم لیگ کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور اعلان کیا کہ آیندہ وہ تبلیغ میں مصروف رہیں گے انہوں نے اس امر کا کوئی اعلان نہ کیا کہ تبلیغ کے میدان میں ان کی سرگرمیوں کا ٹھیک ٹھیک دائرہ کیا ہوگا۔ لیکن ہمارے سامنے تسلیم کیا گیا ہے کہ احمدیوں کے سوا دوسرے غیر مسلموں کو مسلمان بنانا اُن کے لائحہ عمل میں شامل نہ تھا۔ اور تبلیغی سرگرمی کو صرف احمدیوں کے خلاف جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ احمدیوں کے ساتھ احرار کی دشمنی ایک چوتھائی صدی سے چلی آرہی ہے۔ اور اگرچہ یہ کہنا تو صحیح نہ ہوگا کہ تقسیم سے پہلے انہیں احمدیوں سے اور ان کے عقیدوں اور ان کی سرگرمیوں سے بہت زیادہ سروکار نہ تھا۔ لیکن یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اب احراریوں نے احمدیوں کے خلاف نزاع کو اپنے اسلحہ خانے سے ایک سیاسی حربے کے طور پر باہر نکالا اور جو واقعات اس کے بعد پیش آئے وہ اس امر کی بیّن شہادت ہیں کہ وہ سیاسی جماعت کی حیثیت سے انتہائی فہیم اور چالاک ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ اگر وہ عوام کے جذبات کو احمدیوں کے خلاف برانگیختہ کردیں گے تو کوئی اُن کی مخالفت کی جرأت نہ کرے گا۔ اور ان کی اس سرگرمی کی جتنی بھی مخالفت کی جائے گی اسی قدر وہ ہر دلعزیز اور مقبول عام ہو جائیں گے۔ اور بعد کے واقعات سے ظاہر ہوگیا کہ ان کا یہ مفروضہ بالکل صحیح تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی پوری توجہ احمدیوں پر مرتکز کردی اس کے بعد خواہ تبلیغ کانفرنس یا دفاع کانفرنس یا استحکام کانفرنس یا یوم تشکر یا یوم مطالبات کی تقریبات ہوں

یا محض منہ پیشیں کا میلہ ہو۔ ان کانفرنسوں اور یومون وغیرہ کے نام محض دھوکا تھے اور ان کا سب سے بڑا موضوع احمدی اور احمدیت ہوتا تھا۔ اگر وہ اس مذہبی نزاع کو دوسرے مذہبی نزاعات کی طرح جاری رکھتے تو غالباً ان کو بہت زیادہ تائید و حمایت حاصل نہ ہوتی۔ لیکن وہ اپنی عیاری کی وجہ سے خوب جانتے تھے کہ مسلمانوں کے جذبات کسی موضوع پر اس قدر آسانی سے اور تیزی و تندی سے برانگیختہ نہیں کئے جا سکتے اور ان کے غیظ و غضب کو بیدار نہیں کیا جا سکتا۔ جس قدر رسول پاک صلعم کی حقیقی یا خیالی توہین پر کئے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ ان کی سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ رسول پاک کی نبوت کی حفاظت کی جائے۔ اور آپ کی ناموس پر احمدیوں کے حملوں کا مقابلہ کیا جائے۔ جو اس عقیدے کی اشاعت کرتے ہیں کہ رسول پاکؐ آخری نبی نہیں تھے۔ اور ایک اور نبی پیدا ہو گیا ہے جو رسول پاکؐ کے برابر بلکہ اُن سے بہتر ہونے کا دعویدار ہے۔ یہ چال کامیاب ہو گئی۔ اور حاضرین کی کثیر تعداد ان کے جلسوں میں شریک ہونے لگی۔ اور چونکہ بعض احراری مقرر الفاظ و فقرات کے انتخاب اور تشبیہ و استعارہ کے استعمال میں بڑے ماہر واقع ہوئے ہیں اور اپنی تقریروں میں طنز و ظرافت کے چھینٹے بھی خوب دیتے ہیں (خواہ وہ ظرافت کتنی ہی مبتذل کیوں نہ ہو) لہٰذا وہ روز بروز مقبول عام ہونے لگے۔ حکومت اس پر بہت پریشان ہوئی۔ اور مسٹر دولتانہ چیف منسٹر نے ان کی سرگرمیوں کے متعلق جو پہلی یادداشت قلمبند کی اس میں یہ بالکل صحیح لکھا کہ احراری اپنے لئے سیاسی مقام حاصل کرنے میں کوشاں ہیں۔ یہی رائے مولانا ابوالحسنات کی تھی جو آخر میں "ڈائرکٹ ایکشن" کے پہلے ڈکٹیٹر بن گئے۔ چنانچہ مولانا نے اپنے ایک بیان میں جو "مغربی پاکستان" مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ کہا کہ احرار نے ختم نبوت کی تحریک سیاسی مقصد سے شروع کی ہے۔ اور ہمارا عزم مصمم ہے کہ ہم کسی سیاسی جماعت کو مذہب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیں گے "مغربی پاکستان" نے اپنے ۲ جولائی اور ۴ جولائی ۱۹۵۲ء کے پرچوں میں احرار کی سرگرمیوں پر جو تبصرہ کیا اس کا منشا بھی یہی تھا۔ اور احراریوں کی نیتوں کو مسٹر قربان علی خان انسپکٹر جنرل پولیس سے بہتر کوئی نہ جانتا تھا۔ انہوں نے شروع سے آخر تک بار بار اس نکتے پر زور دیا کہ احراریوں نے جان بوجھ کر ایک ایسا مسئلہ منتخب کیا ہے جس میں کوئی ان کی مخالفت کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اور وہ اسی مسئلے پر نہایت آسانی سے مسلم لیگ کو بھی شکست دے سکیں گے۔ اس مسئلے کے نتائج و عواقب ملک کے مستقبل اور اس کے استحکام کے متعلق نہایت دور رس اہمیت رکھتے ہیں۔ اور اگرچہ حکومت اس وقت ایک مشکل مسئلے سے دوچار ہے۔ لیکن بہرکیف کسی نہ کسی کو کہیں نہ کہیں کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔ اور ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں۔ جن پر کسی ملک کی قیادت کا امتحان ہوتا ہے۔

ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ احراریوں نے اپنی سیاسیات سے دست برداری کا اعلان کر کے مسلم لیگ کی طرف سے مخالفت کے امکان کا سدِ باب کر دیا تھا۔ اس کے بعد مسلم لیگ اور احراریوں کے اتحاد کی وجہ سے مسلم لیگ احراریوں کی سرگرمیوں کی طرف سے بے پروا رہی۔ بلکہ ان کو نظرانداز بھی کرتی رہی۔ لیکن جب انہوں نے ختم نبوت کے مسئلے پر قریب قریب تمام مذہبی انجمنوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تو وہ باہر نکل گئے۔ اور انہوں نے دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کے احکام کی خلاف ورزی شروع کر دی جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں

نے حکومت کی اعلان کردہ پالیسی کے ماتحت صادر کئے تھے پہلے پہل تو یہ احکام اُن عام جلسوں پر عاید کئے گئے جن کے انعقاد یا انتظام کی ذمہ داری احرار پر ہوتی تھی۔ لیکن جب احراریوں نے مسجدوں میں جلسے کرنے شروع کر دیئے تو ان احکام کا اطلاق اُن جلسوں پر بھی کر دیا گیا۔ اس سے غیظ و غضب کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ کیونکہ احراریوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حکومت نے مسجدوں کے اندر جلسوں میں دخل دینا شروع کر دیا ہے۔ جو مداخلت فی الدین ہے یہ دلیل بہت آسانی سے کامیاب ہو گئی۔ اور اس سابقہ دلیل ہی کی طرح موثر ثابت ہوئی کہ احرار نبوت کے دفاع اور رسول پاک صلعم کی حرمت کے لئے لڑ رہے ہیں دفعہ ۱۴۴ کے احکام کی خلاف ورزی زیادہ کی جانے لگی۔ اور خاصی مقبول عام ہو گئی۔ اور جب بعض احراری مجرموں کے خلاف اس نافرمانی کی بنا پر مقدمے چلائے گئے۔ تو وہ دفعتہً "شہدا" کا مرتبہ حاصل کر گئے۔ عوام میں بڑے زور شور سے پروپیگنڈا کیا گیا کہ حکومت نہ صرف مسجدوں کو عبادت گاہ کی حیثیت سے اور فرائض مذہبی کی بجا آوری کے لئے استعمال کرنے پر قیود عاید کر رہی ہے بلکہ ان لوگوں پر بیہودہ مقدمے چلا رہی ہے جن کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ مساجد میں نماز پڑھتے ہیں اور مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان دلائل کا کوئی جواب نہ تھا۔ اور حکومت نے اس مکروہ پراپیگنڈا کو روکنے کے لئے کچھ نہ کیا بلکہ صرف ایک مبہم اور مختصر بیان شائع کر دیا کہ حکومت کو کسی کے مذہب میں مداخلت کرنا مقصود نہیں ہے۔ جب احرار نے حکومت کے ساتھ مفاہمت کا ڈھونگ رچایا۔ اور ایک پیمان کر لیا (جس کی اطلاع احرار میں سے صرف انہی کو تھی۔ جنہوں نے وہ پیمان کیا تھا) کہ وہ احمدیوں کو نہ قتل کریں گے نہ لوٹیں گے۔ نہ بے آبرو کریں گے۔ تو حکومت نے جھٹ اس یقین دہانی کو تسلیم کر لیا۔ لہٰذا جن جارح مجرموں کو سزائیں ہو چکی تھیں وہ رہا کر دیئے گئے اور زیر سماعت مقدمے اور دفعہ ۱۴۴ کے احکام واپس لے لئے گئے۔ اس کے بعد احرار نے اپنی روایات کے مطابق اپنی سرگرمیاں زیادہ زور شور سے شروع کر دیں اور چونکہ دفعہ ۱۴۴ کے احکام نافذ ہی نہ تھے جن کی خلاف ورزی کا سوال پیدا ہوتا۔ اس لئے ان کے خلاف کوئی مقدمات دائر نہ ہوئے اور حکام اضلاع نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔

خواجہ ناظم الدین سے گفت و شنید شروع ہوئی۔ اور جنوری کی کراچی کنونشن اور اس کی قائم کردہ مجلس عمل کی طرح یہاں بھی احرار ہی کا غلبہ و تسلط رہا۔ رضاکاروں کی بھرتی اور سرمایے کی فراہمی کا کام تمام تر احرار ہی کر رہے تھے۔ اور جب مولانا اختر علی خاں نے تحفظ ختم نبوت کے نام پر خود روپیہ جمع کرنے کی کوشش کی تو اس پر بہت کم لوگوں نے لبیک کہی۔ لہٰذا سول بغاوت کا سارا سر و سامان احرار ہی کا کیا دھرا تھا۔

آل مسلم پارٹیز کانفرنس بھی احرار ہی کی ساختہ پرداختہ تھی اور اس کی کارروائیوں پر بھی انہی کا غلبہ رہتا تھا۔ مجلس عمل میں ان کو اُن کے حصے سے زیادہ نمائندگی حاصل تھی۔ اور مجلس کے بعض ممبر جو دوسری جماعتوں کے نامزد کئے ہوئے تھے وہ بھی اصل میں احراری ہی تھے۔ بالآخر گرفتاری اور قید میں بھی احراریوں کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ پس وہ فسادات کے لئے براہ راست ذمہ دار تھے۔

احرار کے رویئے کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کا طرز عمل بطور خاص مکروہ اور قابلِ نفرین تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے ایک دنیاوی مقصد کے لئے ایک مذہبی مسئلے کو استعمال کر کے

اس مسئلے کی توہین کی اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے عوام کے مذہبی جذبات و حسیات سے فائدہ اٹھایا۔ اس بات پر صرف احراری یقین رکھ سکتے ہیں۔ کہ وہ اپنے اعمال میں مخلص تھے۔ کیونکہ ان کی گزشتہ تاریخ اس قدر واضح طور پر غیر مستقل رہی ہے کہ کوئی احمق ہی ان کے دعوائے مذہبیت سے دھوکا کھا سکتا ہے۔ خواجہ ناظم الدین نے ان کو دشمنانِ پاکستان قرار دیا اور وہ اپنی گزشتہ سرگرمیوں کی وجہ سے اسی لقب کے مستحق تھے۔ ان کے بعد کے رویے سے یہ واضح ہو گیا کہ نئی مملکت کے وجود میں آنے کے بعد وہ اس کے مخالف ثابت ہوئے جو پارٹی پاکستان اور مسلم لیگ اور اس کے تمام لیڈروں کی مخالف اور کانگرس کی محض ایک کنیز تھی اس کے لئے یہ کیونکر ممکن تھا۔ کہ وہ اپنے گزشتہ نظریات کو ترک کر دیتی۔ اور قیام پاکستان پر جو اس کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود وجود میں آ گیا تھا۔ راتوں رات اپنے عقاید کو بدل کر اس مملکت میں اسلام کی واحد اجارہ دار بن بیٹھتی۔ جس کے قیام کے خلاف اس نے ایڑی چوٹی تک کا زور لگا دیا تھا۔ کیا احرار پر اپنے نصب العین کا انکشاف تقسیم کے بعد ہی ہوا تھا؟ پاکستان کے لئے اسلامی مملکت کا جو نعرہ وہ لگا رہے تھے۔ وہ اس وقت کہاں تھا۔ جب وہ ان جماعتوں اور ان لوگوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ جو مسلمانوں کے لئے صرف ایک وطن کا مطالبہ کر رہے تھے کیا ان کے ہندوستانی ساتھیوں کو جو اب تک احراری کہلاتے ہیں۔ کانگرس نے یہ کام سپرد نہیں کیا کہ وہ کشمیریوں کو بخشی کی حکومت گوارا کرنے پر آمادہ کریں؟

اگر یہ سب کچھ سچ ہے۔ تو صرف پاکستان کے سادہ لوح لوگ ہی احراریوں کے مذہبی جوش کے اظہار سے دھوکا کھا کر بے وقوف بن سکتے ہیں۔ وہ جن نظریات کو پاکستان میں نافذ کرنا چاہتے ہیں ان کو اختیار کرنے کے متعلق ذرا ان کے صدر کے خیالات سنیئے:۔

سوال:۔ کیا آپ کو اقبال اور نہرو کے اختلاف کا کچھ علم ہے؟

جواب:۔ جی ہاں۔

سوال:۔ ازراہ کرم بیان فرمایئے کہ ان دونوں کے درمیان کس موضوع پر اختلاف تھا؟

جواب:۔ نہرو "وطن" پر زور دیتے تھے لیکن علامہ اقبال مذہب پر اصرار کرتے تھے۔

سوال:۔ تو گویا احرار کے اور علامہ اقبال کے نظریوں کے درمیان کھلا ہوا تصادم موجود تھا۔

جواب:۔ جی ہاں۔

سوال:۔ پھر احرار نے اپنا نظریہ تبدیل کیوں کر لیا؟

جواب:۔ جب تک ہم کانگرس کے ساتھ تھے ہم سیاسی پارٹی تھے لیکن جب پاکستان وجود میں آ گیا تو ہم نے اپنے آپ کو ایک مذہبی پارٹی میں تبدیل کر لیا۔

سوال:۔ جب احراری کانگرس کا ساتھ دے رہے تھے تو کیا وہ اس امر کو جزوِ مذہب سمجھتے تھے کہ وہ ایک غیر منقسم ملک میں اچھے شہری بن کر رہ سکتے ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں۔

سوال:۔ کیا آپ اب تک اس مذہبی عقیدے پر قائم ہیں ؟

جواب:۔ جی نہیں۔

سوال:۔ کیا احرار قومیت پرست مسلمانوں کی ایک جماعت تھی ؟

جواب:۔ جی ہاں ۔

سوال:۔ کیا ان کا نظریہ وہی تھا جو کانگرس کا تھا ؟

جواب:۔ جی ہاں ۔

سوال:۔ کیا جمیعت العلمائے ہند بھی قومیت پرست مسلمانوں کی ایک جماعت تھی ؟

جواب:۔ جی ہاں ۔

سوال:۔ کیا آپ کی رائے میں مسلمان مستقبل کے اس دستور کے ماتحت جو احرار اور کانگرس کے تصور میں موجود تھا۔ ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کر سکتا تھا ؟

جواب:۔ جی ہاں ۔

سوال:۔ کیا آپ اب تک اس رائے پر قائم ہیں ؟

جواب:۔ جی نہیں ۔

سوال:۔ کیا کانگرس اور احرار کے نظریہ میں وطن غالب حیثیت رکھتا تھا ؟

جواب:۔ جی ہاں ۔

سوال:۔ کیا آپ کانگرس کے اس خیال سے متفق تھے ؟

جواب:۔ جی ہاں ۔

سوال:۔ کیا آپ اسی نظریئے کو پاکستان کے شہریوں کے لئے بھی موزوں سمجھ سکتے ہیں جو کانگرس کے ساتھ تعلق کے زمانے میں آپ کا نظریہ تھا ؟

جواب:۔ جی نہیں ؟

اس پر تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں کہ پاکستان میں احرار کا سا معنی رکھنے والی جماعت بھی اگر ایک بظاہر معقول مذہبی شاخسانہ کھڑا کر دے تو وہ حکومت کا تختہ اُلٹ سکتی ہے !

احمدی

احمدی براہ راست فسادات کے لئے ذمہ دار نہ تھے ۔ کیونکہ فسادات حکومت کے اس اقدام کا نتیجہ تھے جو حکومت نے اس پروگرام کے خلاف کیا تھا جو ڈائرکٹ ایکشن کی قرارداد کے ماتحت آل مسلم پارٹیز کنونشن نے اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا ۔ لیکن مطالبات کا تعلق احمدیوں سے تھا ۔ اور وہ مطالبات اس لئے وجود میں آئے تھے کہ احمدیوں کے بعض عقائد اور ان کی سرگرمیاں مخصوص انداز کی تھیں جو دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ اور ممیز ہونے پر زور دے رہے تھے ۔ اس میں کوئی شک